بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

A.S. ARIF

تاریخ کا کفر

مرتبہ

مسعود احمد صاحب

شائع کردہ

ادارہ مطبوعاتِ اسلامیہ

[illegible] کراچی

فون [illegible] — [illegible]

قیمت ۱۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تاریخ کا کفر

تمہید

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں برپا ہوئیں۔ ان سازشیوں میں ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا گیا۔ خود ساختہ واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اس طرح پیش کیا گیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر کے متعلق بدظنی کا شکار ہو گئے۔

موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق کے نام سے متعارف کرایا گیا اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہر افشانی کی جانے لگی۔

اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں:۔

(۱) انکارِ حدیث کیلئے فضا سازگار ہو گئی۔ اگر کوئی حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حدیث کو مدوّن کیا گیا، صحیح اور غلط میں خط امتیاز کھینچا گیا۔ اس کے برخلاف تاریخ اسلام کے ابتدائی مؤلفین میں سے اکثر غیر مستند جھوٹے بلکہ دشمنِ اسلام تھے۔ بعد میں آنے والے متدین مؤرخین کے لئے ان ابتدائی مؤلفین کی کتابیں ماخذ بن گئیں۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ان مورخین نے جو واقعات محققین کے لئے جمع کئے تھے وہ بغیر تحقیق کے مستند سمجھے جانے لگے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کی تکذیب کرتے لیکن ہوا اس کے برعکس۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد اُٹھ گیا اور اس طرح اسلام کو مسخ کرنے کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

(۲) جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں قرآن مجید بازیچۂ اطفال بن گیا اور ایک جدید اسلام کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

(۳) خلافتِ راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہ کرام رضؓ کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ

ساتھ ملوکیت کے غیر شرعی نظامِ حکومت ظاہر کر کے انتہائی کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا۔ آپس میں تلواریں چل رہی ہیں، مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ غرض یہ کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا تو بعد والوں کا کیا کہنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ من ذٰلک) اپنے مقصد میں ناکام رہے اور پیچھے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے۔

(۴) یہ ہیں وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے۔ موجودہ تاریخ کو پڑھ کر ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں کیونکہ اس خونی تاریخ کو ہم اپنی تاریخ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اس تاریخ کی صحت سے انکار کر دیں۔ تقلید کے جراثیم اس قدر سرایت کر گئے ہیں کہ تحقیق کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓااِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓااَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًابِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْاعَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (حجرات ۶)	اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جہالت کے باعث تم کسی قوم پر جا پڑو اور پھر تمہیں نادم ہونا پڑے۔

اس عظیم الشان فرمان کے باوجود ہم نے کبھی یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ کسی واقعہ کا بیان کرنے والا صحیح الایمان ہے یا فاسق بغیر تحقیق کے ہم نے ہر واقعہ کو قبول کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت کے باعث ہم اپنے اکابر پر برس پڑے، اسلامی اصولوں کی پامالی کا ذمہ دار انہیں ٹھہرایا اور کبھی ہمیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ کہیں کل میدانِ محشر میں ہمیں شرمسار نہ ہونا پڑے۔

(۵) علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان ہی کتبِ تاریخ کے افسانوں کو مستند سمجھ کر پیش کیا۔ کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ تاریخی واقعات قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق بھی ہیں یا نہیں۔ مثلاً جن صحابہ کرامؓ کے تقوے، اللہ کی رضا جوئی اور اُن کی آپس کی محبت کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہے اُن کے متعلق تاریخ

ہیں ایسے افسانے ملتے ہیں جن سے اُن کے تقوے پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ خلوص اور للّٰہیت کی دھجیاں اُڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ محبت کے بجائے نفرت و عداوت کی تیز و تند آندھیاں چلتی نظر آتی ہیں مگر وہ ہیں کہ سب کو تسلیم کرتے چلے جارہے ہیں اور بایں ہمہ اُن کا ایمان بالقرآن متاثر نہیں ہوتا۔ ایں چہ بوالعجبیست۔

(۶) قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے اُن واقعات کو بھی تسلیم کرلیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔ مثلاً

تاریخ اور قرآن و حدیث کا تقابل

① صحیح بخاری میں ہے کہ جنگِ خندق، جنگِ اُحد کے ایک سال بعد ہوئی اور جنگ اُحد بالاتفاق ۳ھ میں ہوئی، لہٰذا صحیح بخاری سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنگِ خندق ۴ھ میں ہوئی لیکن تاریخ میں ہے کہ جنگ خندق شوال ۵ھ میں ہوئی (سیرۃ ابن اسحٰق وسیرۃ ابن ہشام)

② صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ اس وقت موجود تھے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی۔ اس سے یہ بات بالبداہت ثابت ہوگئی کہ واقعۂ تہمت جنگِ خندق سے پہلے واقع ہوا اور جنگِ خندق جیسا کہ اوپر لکھا گیا ۴ھ میں ہوئی۔ لہٰذا واقعہ تہمت زیادہ سے زیادہ ۴ھ میں ہونا چاہئے، اس کے بعد نہیں ہوسکتا لیکن تاریخ میں ہے کہ واقعۂ تہمت ۶ھ میں ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحٰق وسیرۃ ابن ہشام) اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ واقعۂ تہمت ۶ھ میں ہوا تو حضرت سعد بن معاذؓ اس وقت زندہ ہو کر کیسے آگئے جب کہ وہ جنگِ خندق میں جو بقول مورخین ۵ھ میں ہوئی تھی شہید ہوگئے تھے۔

③ صحیح بخاری میں ہے کہ حجاب کا حکم واقعۂ تہمت سے پہلے نازل ہوا اور واقعۂ تہمت جنگِ خندق سے پہلے ہوا لہٰذا ازروئے صحیح بخاری حجاب کا حکم جنگِ خندق

سے پہلے پہلے نازل ہوا۔ کیونکہ جنگِ خندق ماہِ شوال سنہ ۴ھ میں ہوئی لہذا حجاب کا حکم بہرصورت شوال سنہ ۴ھ سے پہلے نازل ہونا چاہیے لیکن تاریخِ واقدی میں ہے کہ حجاب کا حکم سنہ ۵ھ میں نازل ہوا اور دوسری تاریخوں میں ہے کہ ذوقعدہ سنہ ۴ھ میں نازل ہوا یعنی ہر حالت میں جنگِ خندق کے بعد اور یہ چیز صحیح بخاری کے خلاف ہے (فتح الباری تفسیر سورۂ نور)

④ ازواجِ مطہراتؓ کو ایک خاص موقع پر اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اللہ اور رسولؐ کو اختیار کرلیں یا دنیا کو اختیار کرلیں۔ اسے واقعۂ تخییر کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوا۔ اور جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے کہ حجاب کا حکم سنہ ۴ھ میں نازل ہوا لہذا واقعۂ تخییر سنہ ۳ھ یا سنہ ۴ھ میں ہونا چاہیے لیکن تاریخ کہتی ہے کہ تخییر سنہ ۹ھ میں واقع ہوا۔ (فتح الباری کتاب النکاح بحولہ دمیاطی) اور اسی تاریخ کے بیان کو اکثر علماء و ائمہ نے تسلیم کرلیا حالانکہ واقعۂ تخییر کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں اُن کا سنہ ۹ھ میں نازل ہونا عقلاً بھی محال ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (احزاب ۳۳)	اے نبی کی بیویو! اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور ایامِ جاہلیت کی طرح اپنی نمائش نہ کرو۔

اگر یہ واقعہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد مان لیا جائے تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ حکمِ حجاب نازل ہونے کے بعد پانچ سال تک ازواجِ مطہراتؓ پردہ میں نہیں بیٹھیں، اپنی نمائش کرتی تھیں اور اب سنہ ۹ھ میں انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ پردہ میں بیٹھو، اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو، یہ قطعًا باطل ہے۔ ہاں اگر اس آیت کے نزول کو حکمِ حجاب سے پہلے مان لیں تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا اس لئے کہ حجاب کے حکم سے پہلے تمام عورتیں اور ازواجِ مطہراتؓ بھی بے پردہ آتی جاتی تھیں۔ پہلے اس آیت کے ذریعہ انہیں غیر ضروری آمدورفت اور اپنی نمائش سے روکا گیا اور بعد میں پردہ کا حکم دیدیا گیا۔ یہ تدریج بالکل فطرتِ اسلام کے مطابق ہے۔ دوسرے احکام بھی اسی طرح بتدریج ہی نازل ہوئے۔

دوسری بات جو عقلاً اس قصہ کو ۹ھ میں واقع ہونے سے مانع ہے وہ یہ کہ ۹ھ تک ازواجِ مطہرات رضی کی حالت نہ بدلی۔ دنیا کی طمع اُن میں بدستور موجود تھی، کئی کئی سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے بعد بھی اُن کی اصلاح نہ ہوئی۔ اگر ہم واقعۂ تخییر کو ۳ھ یا ۴ھ کا واقعہ مان لیں تو پھر یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ازواج مطہرات رضی کو ۳ھ یا ۴ھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہت کم موقع ملا تھا، لہٰذا ابتدائی دَور میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کی خواہش اُن میں موجود ہو اور اسی وقت ان کو اس سے روک دیا گیا ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ آیتِ تطہیر بھی اسی موقع پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا تھا کہ ازواج مطہرات رضی کو پاک کر کے چھوڑے گا لیکن اللہ کے ارادہ کی تکمیل میں اتنی دیر لگ گئی کہ ۹ھ کا زمانہ آگیا اور طمع بدستور موجود تھی، یہ خلافِ عقل ہے۔

(۵) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہمارے پیر زخمی ہو گئے تھے لہٰذا ہم نے اپنے پیروں پر دھجیاں باندھ لیں، اسی لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع (یعنی دھجیوں والی جنگ) ہو گیا۔ لیکن تاریخوں میں اس کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں جن کی تعداد پانچ تک پہنچ گئی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام و تاریخ واقدی) اور کسی تاریخ میں وہ وجہ بیان نہیں کی گئی جو صحیح بخاری میں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کتنی مستند ہے اور کتنے یقین سے بیان کی گئی ہے۔ برخلاف اس کے تاریخ کی روایتیں نہ مستند ہیں اور نہ یقین کے ساتھ بیان کی گئی بلکہ مجہول کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ پھر بھی بعض علماء نے صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف تاریخ کی روایت کو تسلیم کر لیا۔

(۶) صحیح بخاری میں ہے کہ امام مسروق رح کہتے ہیں، "حضرت اُمّ رومان رضی نے مجھ سے حدیث بیان کی"، یہ اس بات کا کتنا زبردست ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی کی خلافت میں جب امام مسروق رح مدینہ منورہ آئے تو حضرت ام رومان رضی زندہ تھیں اور مدینہ منورہ

پہنچنے کے بعد انہوں نے حضرت اُمِّ رومانؓ سے حدیث سُنی، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ حضرت اُمِّ رومانؓ کا انتقال عہدِ رسالت میں ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہوگیا تھا (واقدی) لہٰذا حضرت مسروقؒ کی ان سے سماعت صحیح نہیں۔

حضرت اُمِّ رومانؓ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی والدہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی موجودگی میں چند مہمان حضرت ابوبکرؓ کے ہاں آئے۔ اس دعوت میں حضرت اُمِّ رومانؓ موجود تھیں۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ ۷ھ یا ۸ھ میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تھے لہٰذا ام رومانؓ کی وفات ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہونا قطعاً غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے خود اپنی تاریخ میں اس بات کی تردید کی تھی کہ ان کا انتقال ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا۔ امام بخاریؒ نے لکھا تھا کہ حضرت اُمِّ رومان کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی۔ امام بخاریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسروقؒ کی حدیث اسناد کے لحاظ سے قوی ہے اور اس کا اتصال بہت واضح ہے۔ حضرت ابراہیم حلبیؒ نے بھی مسروقؒ کا حضرت اُمِّ رومان سے سُننا تسلیم کیا ہے، لیکن بایں ہمہ لوگوں نے تاریخ پر اعتماد کیا حتیٰ کہ بعض علماء نے بھی تاریخ کا اعتبار کیا۔ امام خطیب بغدادی، امام مزی، علامہ ذہبی، علائی، صاحب المشارق والمطالع سہیلی، ابن سیدالناس اور ان کے علاوہ بہت لوگوں نے تاریخ کی روایت پر اعتماد کیا۔ بالآخر ان سب کی مخالفت حضرت امام ابن قیمؒ نے کی اور حضرت اُمِّ رومانؓ سے مسروقؒ کی سماعت ثابت کی۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ بعض علماء بھی صحیح بخاری پر تاریخ کو ترجیح دیتے رہے۔ انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوئی کہ تاریخ کے بیان کو صحیح ماننے سے صحیح بخاری کی حدیث ضعیف و منقطع ہوجائے گی۔ سب کچھ گوارہ کیا لیکن تاریخ کی تردید نہیں کی باوجود اس کے کہ روایاتِ تاریخ کسی ایک تاریخِ وفات پر متفق بھی نہیں۔ مزید براں

یہ تمام مختلف تاریخیں واقدی نے نقل کی ہیں جو محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ تاریخ کی دوسری روایت جس کو زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ حضرت اُمِّ رومانؓ نے ذوالحجہ ۶ھ میں وفات پائی منقطع اور ضعیف ہے۔ غرض یہ کہ تاریخ کی جملہ روایتیں موضوع ہیں لیکن افسوس کہ پھر بھی ہمارے اکثر علماء کرام تاریخ کا اعتبار کرتے رہے اور صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف بناتے رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(تاریخ) **جنگِ مُوتہ** | حضرت خالد بن ولیدؓ باقی ماندہ (اسلامی) لشکر کو بچا کر واپس لے آئے (تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل ص ۳۷۹) جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بعض لوگوں نے اس لشکر پر خاک ڈالنی شروع کی اور کہا کہ تم لوگ اللہ کی راہ سے بھاگ کر آئے ہو۔ (سیرۃ ابن ہشام اردو مترجمہ محمد اسماعیل ص ۴۸۶)

(حدیث) **جنگِ مُوتہ** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے خالدؓ کے ہاتھ پر لشکرِ اسلام کو فتح عنایت فرمائی (صحیح بخاری کتاب المغازی وکتاب الجہاد)

تبصرہ | دو تاریخوں کی عبارتیں آپ کے سامنے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤمنین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر آگئے۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مؤمنین فتحیاب ہوئے اب بتایئے کیا تاریخ کی بات پر یقین کرنے کے بعد بھی ایمان بالرسول باقی رہے گا؟

حضرت خالدؓ کے بہادرانہ شاندار کارناموں سے اسلامی تاریخ مملو ہے لیکن دشمنانِ اسلام کو یہ چیز کھٹکتی ہے۔ انہوں نے خالدؓ دشمنی میں شکست کی روایت گھڑ کر ہماری تاریخ میں شامل کر دی۔

(تاریخ) **حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات** | حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ رومان کا انتقال ۶ھ میں ہوگیا تھا۔ (تاریخ واقدی)

حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات

(قرآن و حدیث) حضرت مسروقؒ (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ آئے، وہ) کہتے ہیں مجھ سے حضرت اُمِّ رومانؓ نے حدیثِ افک بیان کی۔ (صحیح بخاری)۔

تبصرہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اُمِّ رومان ۱۲ھ یا ۱۳ھ تک زندہ تھیں، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ ۶ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ

(تاریخ) حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا "مجھے خبر ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے اسے (یعنی خلافت کو) ہم سے حسد اور ظلم کی وجہ سے الگ کر رکھا ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "آپ نے ظلم کا ذکر کیا ہے تو ہر جاہل اور عقلمند پر ظاہر ہے، جہاں تک حسد کا ذکر ہے تو حسد تو ابلیس نے حضرت آدمؑ پر بھی کیا تھا، انہی کی اولاد ہم ہیں جن پر حسد کیا جا رہا ہے۔" (تاریخ طبری اردو حصّہ سوئم خلافت راشدہ حصّہ دوم مترجمہ رشید احمد ص۲۸۲)

حضرت عمرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ

(قرآن و حدیث) حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں "مجھ سے یہ حدیث کہ نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے ... الخ کئی صحابہؓ نے بیان کی، ان صحابہؓ میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے ان تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔" (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری ابواب مواقیت الصلوٰۃ)

تبصرہ کیا وہ شخص جو ظالم بھی ہو، حاسد بھی ہو، مظلوم و محسود کا محبوب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں لیکن تاریخ نے صحابہ کرامؓ کے آپس کے تعلقات ہی کو ناخوشگوار نہیں بتایا بلکہ اسلام کے مایۂ ناز عادل حکمران (حضرت عمرؓ) کو ظالم بھی بنا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ

(تاریخ) تمام لوگوں نے حضرت

ابوبکرؓ کی بیعت کرلی لیکن حضرت سعد بن عبادہؓ نے بیعت نہیں کی نہ وہ جماعت میں شریک ہوتے تھے نہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے (تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول مترجمہ محمد ابراہیم صہ ۳۴)

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر حضرت سعد بن عبادہؓ بہت ناراض تھے۔ انہوں نے بیعت نہیں کی اور ملک شام کی طرف چلے گئے، کہتے ہیں کہ جنات نے انہیں قتل کر دیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول صہ ۲ مترجمہ ڈاکٹر عنایت اللہ)

(قرآن و حدیث) حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ

تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی (صحیح بخاری کتاب المظالم و باب مناقب ابی بکرؓ)۔

قرآن مجید میں ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ (فتح ۲۹)

تبصرہ | صحیح بخاری میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ اگر حضرت سعدؓ نے بیعت نہ کی ہوتی تو ضرور اس بات کا ذکر ہوتا۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ائمہ قریش میں سے ہوں گے" تو حضرت سعدؓ نے کہا "تم سچ کہتے ہو (فتح الباری بحوالہ مسند احمد) کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ، حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے ناراض تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو اُس کی سنو اور اطاعت کرو" (صحیح بخاری) کیا حضرت سعدؓ نے اس حکم کی تعمیل کی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جماعت چھوڑ دی وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ایسی حالت میں مرا کہ اس نے بیعت نہیں کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اگر تاریخ کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو کیا حضرت سعدؓ باوجود بدری صحابی ہونے کے جاہلیت کی موت مرے؟ کیا اللہ کی رضا جوئی جس کا قرآن شاہد ہے اسی کا نام ہے؟

(تاریخ) جنگِ اُحُد | مدینہ والوں کو (یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو) شکست ہوئی۔ (تاریخ اسلام اردو مؤلفہ امیر علی مترجمہ حسین رضوی صا۳)

(قرآن وحدیث) جنگِ اُحُد | قرآن مجید میں ہے (کُفّار میدان چھوڑ کر چلے گئے) مومنین نے ان کا تعاقب کیا۔ تعاقب کے بعد مسلمین اللہ کے فضل اور اس کی نعمت کے ساتھ واپس آئے۔ (آل عمران ۱۷۴)

تبصرہ | تاریخ میں کس قدر غلط بیانی کی گئی ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین فتح یاب ہوئے۔ تاریخ کہتی ہے شکست کھائی۔ کیا شکست خوردہ فوج، فاتح لشکر کا تعاقب کرتی ہے؟ دشمنانِ اسلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر یہ ایک خفیہ چوٹ ہے۔

(تاریخ) بلوۂ جمل | حضرت عائشہؓ نے جو حضرت علیؓ سے سخت نفرت رکھتی تھیں، اس شعلہ کو بھڑکایا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ حلفِ اطاعت کو ایک طرف رکھ کر پہلے مکّہ کی طرف پھر عراق کی طرف بھاگ گئے جہاں حضرت عائشہؓ بھی ان سے جا ملیں اور خلیفہ (حضرت علیؓ) پر حملہ آور ہونے کی غرض سے باغیوں کی ایک بڑی فوج جمع ہو گئی، (باغیوں کو شکست ہوئی) حضرت عائشہؓ گرفتار ہو گئیں۔ (تاریخ اسلام مؤلفہ امیر علی صا۶)

(قرآن وحدیث) بلوۂ جمل | حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ وغیرہ کو اپنی چادر اوڑھا کر آیتِ تطہیر پڑھی" (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بصرہ روانہ ہوئیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ (صحیح بخاری کتابُ الفتن)

تبصرہ | اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت علیؓ سے بغض ہوتا تو وہ کیسے ان کی فضیلت میں اس حدیث کو بیان کرتیں؟ حدیثِ مذکور کی روشنی میں تاریخ کا بیان حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے

جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر" (صحیح بخاری) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ صحابیوں میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شہید ہونے کی خبر دی (صحیح مسلم)

ایسی جلیل القدر زوجہ محترمہؓ اور ایسے صاحب فضل صحابیوں کے کردار کا کتنا مکروہ نقشہ ہے جو تاریخ میں کھینچا گیا ہے۔ بغاوت جو ایک سنگین جرم ہے اس کا مرتکب انہیں بنایا گیا ہے۔ کیا یہ لوگ احادیث کی روشنی میں جاہلیت کی موت مرے؟ اگر جاہلیت کی موت مرے تو شہید کیسے ہوئے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط خبر دی تھی؟ نعوذ باللہ۔

"زوجہ مطہرہؓ کی گرفتاری" کتنا عجیب منظر پیش کرتی ہے؟ کیا یہ الفاظ کسی مسلم ومومن کی زبان اور قلم کو زیب دیتے ہیں؟

(تاریخ) **حضرت عثمانؓ کی بیعت** | حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تو لوگ حضرت عثمانؓ کے چاروں طرف چھا گئے۔ سب نے بیعت کی مگر حضرت علیؓ پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "جو عہد شکنی کرے گا اُس کی عہد شکنی اُس کی ذات کیلئے نقصان دہ ہوگی۔" یہ سُن کر حضرت علیؓ نے بیعت کی اور فرمایا "دھوکہ اور فریب! کس قدر فریب دیا گیا ہے۔" (تاریخ طبری حصہ سوم۔ خلافت راشدہ حصہ دوم مترجمہ رشید احمد صفحہ ۳۱)

(قرآن وحدیث) **حضرت عثمانؓ کی بیعت** | جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کرنے والے تھے تو حضرت علیؓ نے فوراً کہا (اے عثمانؓ) میں تمہاری بیعت کرتا ہوں۔" پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی پھر تمام لوگوں نے بیعت کی۔ (صحیح بخاری باب مناقب عثمانؓ و کتاب الاحکام)

تبصرہ | صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ نے بغیر کسی پس وپیش کے زبانی بیعت سب سے پہلے کی اور ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا نمبر دوسرا تھا۔ لیکن تاریخ میں ہے کہ انہوں نے بہت دیر میں بیعت کی اور وہ بھی دھمکی کے بعد۔

(تاریخ) **جنگِ حُنین، اور کثرتِ تعداد پر فخر** | جب آپؐ مکہ سے حنین کی طرف چلے ہیں اور اپنے لشکر کی کثرت

ملاحظہ کی تو فرمایا تھا کہ ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام صـ۴۱۶)

جنگِ حُنین اور کثرت تعداد پر فخر

(قرآن و حدیث) قرآن مجید کی آیت اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں نے اپنی کثرتِ تعداد پر فخر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کثرتِ تعداد پر فخر کرنا ناگوار گزرا۔
(رواہ الحاکم و صححہ۔ بلوغ الامانی جزء ۲۱ صـ۱۶۹)

تبصرہ تاریخ کا بیان کس قدر غلط اور شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے وسائل پر توکل کرتے تھے جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کا اظہار کیا اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اسی چیز کو تاریخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

تاریخ اور قرآن و حدیث کے بیان کردہ واقعات میں جو تضاد ہے وہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ اور اسی قسم کے دوسرے قصے قرآن و حدیث کے خلاف ہونے ہوئے بھی تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟ کیا ان قصوں کو تسلیم کرنے کے بعد قرآن و حدیث پر ایمان قائم رہ سکتا ہے؟

ایک بدنامِ زمانہ کو مغفرت کی بشارت

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ وہاں لیٹ گئے اور آپ کو نیند آگئی، کچھ دیر بعد آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت اُمِّ حرامؓ نے پوچھا "آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری اُمت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے (میرے سامنے) پیش کئے گئے اس حالت میں کہ وہ سبز سمندر میں چلے جا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تخت نشین بادشاہ ہیں، ان کو دیکھ کر میں خوش ہوا، یہ میری اُمت کا پہلا لشکر ہے جو سمندر میں جہاد کرے گا، ان کے لئے (جنت) واجب ہوگئی۔" حضرت اُمِّ حرامؓ نے عرض کیا، "اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل کر دے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور اس کے بعد آپ پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر

بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت اُمِ حرامؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! مسکراہٹ کی کیا وجہ ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش کئے گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بادشاہ ہیں جو اپنے تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہیں۔" دو تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات دوہرائے۔ پھر آپ نے فرمایا "یہ میری اُمت کا پہلا لشکر ہے جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا، ان سب کی مغفرت ہوگئی۔" حضرت اُمِ حرامؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں شامل کردے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم پہلے لوگوں میں شامل ہو۔ دوسرے لوگوں میں شامل نہیں ہو۔" پھر حضرت امیر معاویہؓ کی سرکردگی میں حضرت اُمِ حرامؓ بحری جہاد میں شریک ہوئیں اور واپسی میں اپنی سواری سے گر کر مر گئیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الدعا)

دوسرا جہاد ارضِ روم میں (قیصر کے شہر قسطنطنیہ میں) میں ہوا حضرت یزیدؒ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اسی جہاد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔[1] اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) حضرت یزیدؒ کی یہ جنگ خالص اللہ کے راستہ میں تھی۔

(۲) حضرت یزیدؒ اور ان کے ساتھیوں کی مغفرت ہوگئی۔

(۳) حضرت یزیدؒ اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اعزاز کے ساتھ پیش کیا۔ ان کو بادشاہوں کی سی شان دی گئی، اس شاہانہ کروفر اور شان وشوکت کا اللہ تعالیٰ نے بطور خوشخبری کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرایا۔ یہ تمام باتیں بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت یزیدؒ اور ان کے ساتھیوں سے صرف خوش ہی نہیں بلکہ ان پر فخر بھی کرتا ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یزیدؒ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ آپ جب بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔

یہ ہیں یزیدؒ اور یہ ہیں ان کی فضیلتیں۔ ان فضائل کی خبر دینے والا اللہ تعالیٰ، ان کے بیان کرنے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر یہ سب کچھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود، جن کی صحت

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ

پر اجماعِ امت، مگر افسوس پھر بھی دشمنانِ اسلام ان کے متعلق بدگوئی سے باز نہیں آئے۔ ان کے خلاف جھوٹے قصے گھڑ گھڑ کر شائع کرتے رہے اور پھر وہ بغیر تحقیق کے ہماری تاریخ میں سمو دیئے گئے۔ اب بتایئے، ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت مانیں یا تاریخ کے ان خرافات کو صحیح سمجھیں۔

دنیا کی صحیح ترین کتابوں میں بدنامِ زمانہ کی تصویر

حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد حضرت یزیدؒ خلیفہ ہوئے۔

ان کے زمانہ میں دو اہم واقعات پیش آئے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

حضرت حسینؓ کی شہادت

عراقیوں نے (دھوکا دے کر) حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ (حالت احرام میں) مکھی یا مچھر مارنے کا کیا کفارہ ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" اس نے کہا "میں عراق کا رہنے والا ہوں" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "اس شخص کو دیکھو، اہل عراق مجھ سے مچھر مارنے کا کفارہ پوچھ رہے ہیں حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اہل عراق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (حضرت حسینؓ) کو قتل کیا (اس کا کفارہ نہیں پوچھا، مکھی یا مچھر مارنے کا کفارہ پوچھ رہے ہیں) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسینؓ و حسنؓ کے متعلق سنا ہے آپ فرماتے تھے "یہ دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں"[1]۔

مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے قتل میں عراق کے (سبائی) لوگوں کا ہاتھ تھا۔ حکومتِ وقت کا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر حکومت کے ایما پر یہ قتل واقع ہوا ہوتا تو حضرت ابن عمرؓ بجائے اہل عراق کو ملامت کرنے کے حکومتِ وقت کو برا کہتے۔ کیونکہ جب حکومت کسی کام کو انجام دیتی ہے تو وہی مورد الزام ٹھہرتی ہے نہ کہ رعایا جس کا کام حکومتِ وقت کی اطاعت ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد۔

بن عمرؓ کا عراقیوں پر غم و غصہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ انہیں ہی حضرت حسینؓ کے قتلِ ناحق کا مجرم سمجھتے تھے۔ اس عراقی شخص نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا سکوت اس کے اعترافِ جرم کا کھلا ثبوت ہے۔

شہادتِ حسینؓ کے بعد

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت علیؒ حضرت یزیدؒ کے پاس چلے گئے، وہاں سے مدینہ منورہ واپس آگئے۔ مدینہ منورہ میں اُن کی ملاقات حضرت مسور بن مخرمہؓ سے ہوئی۔ حضرت مسورؓ نے کہا "آپ کو کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے۔" حضرت علی بن حسینؒ نے کہا "کوئی ضرورت نہیں ہے۔" حضرت مسورؓ نے کہا "کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار (جو آپ کے پاس ہے) دیدیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ پر غلبہ کریں اور تلوار آپ سے لے لیں، اللہ کی قسم اگر مجھے آپ دیدیں تو وہ مجھ سے کبھی نہیں لے سکتے یہاں تک کہ میری جان نہ نکل جائے۔[1]

واقعۂ حرّہ

حضرت یزیدؒ کے زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ، واقعہ حرّہ ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔ اہل مدینہ میں سے (بعض لوگوں نے) حضرت یزیدؒ کی بیعت توڑ دی (اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہا) ابن حنظلہ نے (حضرت یزید کے خلاف) بیعت لینی شروع کی، وہ موت پر بیعت لے رہے تھے (اکابر اُمت حضرت یزیدؒ کی بیعت توڑنے کے خلاف تھے) حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے (ابن حنظلہ کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا، انہوں نے) فرمایا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد موت پر کسی سے بیعت نہ کروں گا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس بغاوت میں شامل نہ تھے، انہوں نے حضرت یزیدؒ کی بیعت نہیں توڑی بلکہ انہوں نے اس سازش کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے اپنے تمام رشتہ داروں اور اولاد کو جمع کیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری کتاب فرض الخمس باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب البیعۃ فی الحرب علی ان لایفر وا عن عباد بن تمیم۔

سے سُنا ہے آپ نے فرمایا "قیامت کے دن ہر بدعہد کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا" ہم نے یزیدؒ کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کی سنّت پر بیعت کی تھی اور اب اس سے قتال شروع کر دیا ہے (بیعت کرنے کے بعد قتال کرنا بدعہدی ہے) اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے یزیدؒ کی بیعت توڑی تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا[1]

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسودؒ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک لشکر تیار کیا گیا (تاکہ حضرت یزیدؒ کے خلاف بغاوت کی جائے اور اُن کی فوج کا مقابلہ کیا جائے) میرا نام بھی اس میں لکھ لیا گیا (اگرچہ میری مرضی نہیں تھی) میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہؒ کے پاس گیا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ حضرت عکرمہؒ نے مجھے اس لشکر میں شامل ہونے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی۔

(بہرحال بغاوت ہوئی سرکاری فوج نے باغیوں کا قلع قمع کیا) بہت سے لوگ مارے گئے (جن میں بہت سے بے قصور بھی تھے) حضرت انسؓ کو ان لوگوں کے مارے جانے کا بہت صدمہ ہوا۔[2]

واقعۂ حرّہ پر تبصرہ

اس سازش میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیدؓ اور دوسرے صحابہؓ و تابعین شریک نہیں ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حرّہ کا واقعہ حضرت یزیدؒ اور اسلامی حکومت کے خلاف ایک سازش تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت یزیدؒ کو خلیفۂ برحق تسلیم کرتے تھے اور اُن کے خلاف خروج سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے افسوس ہے کہ صحابۂ کرامؓ تو حضرت یزیدؒ کو خلیفۂ برحق مانیں لیکن بعد والے ان سے بیزاری کا اظہار کریں۔ حضرت یزیدؒ کے خلاف طرح طرح کے فسانے گھڑیں اور اُن کے کردار کو داغدار بنانے کی کوشش کریں۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ یہ من گھڑت افسانے ہماری تاریخ میں سمو دیئے گئے اور اب کوئی تحقیق نہیں کرتا کہ اصل حقیقت کیا ہے بلکہ

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج الخ۔ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر (سورۃ المنافقون)

بعض لوگ تو تحقیق کرکے اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کو بھی بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ تاریخ پرستی کا ایسا شکار ہو گئے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث بھی سننے کیلئے تیار نہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں کہ اب تک جو باتیں وہ سُنتے آئے ہیں انہیں ذہن سے نکال دیں۔ تحقیق کے مقابلہ میں وہ تقلید کو ترجیح دیتے ہیں اور صحیح کے مقابلہ میں غلط کو تسلیم کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بارہ خلفاء راشدین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ امر خلافت قریش میں رہے گا، جو شخص ان کی مخالفت کرے گا اللہ اسے اوندھا کر دے گا (اور یہ بات اس وقت تک باقی رہے گی) جب تک وہ دین پر قائم رہیں گے[1]"

یہ حدیث اس بات کا کتنا کھلا ثبوت ہے کہ خلفاء بنو اُمیہ وغیرہ سب حق پر تھے اور اس پیشین گوئی کا مصداق تھے۔ انہوں نے دین کو قائم رکھا۔ احکامِ الٰہی کے مطابق حکومت کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور جب وہ دین کو پوری طرح قائم نہ رکھ سکے تو حکومت کی اصلی باگ ڈور قریش سے نکل کر دوسرے خاندان میں چلی گئی اور وہ لوگ صرف نام کے خلیفہ رہ گئے۔

کیا اس حدیث کی موجودگی میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بنو اُمیہ کا دورِ حکومت ظلم و استبداد کا دور تھا؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ خرافات کا صحیح بخاری کے ان حقائق سے کیا مقابلہ! چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ ان حقائق کی موجودگی میں تاریخی خرافات دریا بُرد کرنے کے قابل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(عنقریب) بارہ ۱۲ امیر ہوں گے۔ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔ یہ حدیث بھی بارہ ۱۲ خلفاء کی تعریف ظاہر کرتی ہے۔

ان بارہ ۱۲ خلفاء کے نام یہ ہیں:-

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام عن معاویۃ رض

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر فاروقؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت حسنؓ (۶) حضرت معاویہؓ (۷) حضرت یزیدؒ (۸) حضرت مروانؒ (۹) حضرت عبدالملکؒ (۱۰) حضرت ولیدؒ (۱۱) حضرت سلیمانؒ (۱۲) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

افسوس ہے کہ جن خلفاء کے زمانہ میں اسلام باعزت، غالب اور مستحکم رہا ان ہی خلفاء کو آج بُرا کہا جاتا ہے۔ ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے قوانین کو پامال کیا۔ شریعت اور حرمین کی بے حرمتی کی اور اس کی بنیاد ان واقعات پر رکھی جاتی ہے جو سراسر کذب و افتراء ہیں۔ دشمنانِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہیں، تاریخ کے خرافات ہیں۔ بتائیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ان ٹکسالی حدیثوں پر ہم اعتماد کریں یا تاریخ کے ان خودساختہ افسانوں پر۔ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت قبول کریں یا سبائی فتنہ پرداز یہودیوں کی شہادت قبول کریں۔ مسلمین خود ہی فیصلہ کریں کہ ان کا ایمان کیا کہتا ہے؟

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اس امت کی عافیت اس کے پہلے حصہ میں ہے"۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ شروع کے تمام خلفاء راہ راست پر تھے اور اُن کی خلافت میں عافیت تھی۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

صحیح تاریخ کی ضرورت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب موجودہ تاریخوں میں بے انتہا جھوٹ کی آمیزش ہے اور جو مطوّل یا مختصر تاریخیں لکھی جارہی ہیں اُن کا ماخذ یہی کتب تاریخ ہیں تو کیا ایسی حالت میں ایک ایسی تاریخ کی ضرورت نہیں جو روایتاً اور درایتاً صحیح ہو؟ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ حدیث کے معاملہ میں سند کی صحت سے زیادہ درایت پر زور دیتے ہیں وہ تاریخ کے معاملہ میں درایت کا قطعاً خیال نہیں کرتے۔ اسی طرح ہمیں اُن پر بھی تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ حدیث مانی جائے گی جو قرآن مجید کے خلاف نہ ہو لیکن تاریخی روایات کو اخذ کرتے وقت وہ اس اصول کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ وہ کیسے یقین کر لیتے ہیں کہ

جو لوگ مجسّم تقویٰ ہوں، جن کے تقوے کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہو، وہ درحقیقت مکّار اور دنیادار تھے۔ پھر مزید تعجب اُن لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں کہ تاریخ کے واقعات کی سند کی جانچ پڑتال کی ضرورت ہی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ لوگوں کے کردار کو ملوّث کیا جائے اور ہم یہ بھی نہ دیکھیں کہ کہنے والا کون ہے؟

بعض لوگوں کو یہ بھی فکر ہے کہ اگر حدیث کی طرح تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کی گئی تو نوّے فیصدی تاریخ اسلام سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی تاریخ کی ضرورت ہی کب ہے جس کو پڑھ کر ہماری آنکھیں شرم سے نیچی ہو جائیں جس کو پڑھ کر غیر مسلم ہمیں طعنہ دیں۔ اگر سو فیصدی تاریخ بھی کالعدم ہو جائے تو ہمیں پرواہ نہیں۔ ہم بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ ہماری ہے ہی نہیں۔ یہ تاریخ دشمنانِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ہماری آنکھیں نیچی نہیں ہوں گی۔ ہم ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کریں گے کہ ہمارے اسلاف تو وہ تھے جن کی تعریف قرآن نے کی ہے۔ جن کی تعریف حدیثوں میں آئی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ نوّے فیصدی تاریخ کے ضائع ہونے کے خوف سے ہم اس فرضی تاریخ کو سینہ سے لگائے رہیں؟

ماخذ:- "تاریخ الاسلام والمسلمین"

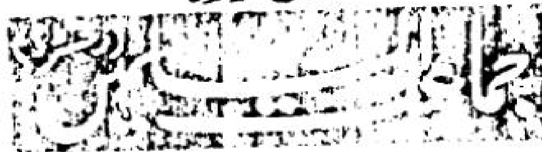
تلخیص و ترتیب : محمد صدّیق میمن

تاریخ الاسلام والمسلمین کا تعارف

- تاریخ الاسلام والمسلمین کی فہرست بہت طویل ہے۔
- یہ کتاب ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ المختصر یہ تاریخ (۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) بارہ خلفاء راشدین اور (۲) چار سو سے زائد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے صحیح ترین حالات پر مشتمل ہے۔
- اس تاریخ کے صرف تین ماخذ ہیں (۱) قرآن مجید (۲) صحیح بخاری (۳) اور صحیح مسلم۔
- اس کتاب کو پڑھنے سے چار مضامین کا بیک وقت مطالعہ ہوتا ہے (۱) قرآنِ مجید کی آیات اور ان کا شانِ نزول (۲) صحیح احادیث اور ان کے بیان کے مواقع اور مواحل (۳) اسلام کا بتدریج ارتقاء اور (۴) صحیح ترین تاریخ۔
- اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ کی روح اس دور میں گردش کر رہی ہے اور آپ کے جسم کو تلاش کر رہی ہے تاکہ آپ بھی عملاً ان سعادت مند لوگوں میں شامل ہو جائیں اور سعادت دارین حاصل کر لیں۔

ہر بڑے کتب فروش سے طلب فرمائیں۔

شائع کردہ



... ٹاؤن، بلاک جی نارتھ ناظم آباد، کراچی ۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحیح حدیث کا انکار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں شروع اسلام سے اب تک حدیث کو حجتِ شرعیہ سمجھا گیا۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے حدیث کی حفاظت میں انتھک کوشش کی اور اس سلسلہ میں کوئی معمولی کسر بھی نہیں چھوڑی بیسیوں فنون ایجاد کئے، ہر فن پر حدیث کو پرکھا اور مختلف قسم کی باریکیوں سے کام لیا۔ محدثینِ کرام کا یہ ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

محدثینِ کرام کی مساعی جمیلہ اور سخت محنت کے نتیجے میں آج اُمتِ مسلمہ کو صحیح احادیث کا ایک بیش بہا ذخیرہ میسر ہے جس کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا ہر فرد بآسانی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے اور قرآنِ مجید پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

دینِ اسلام میں شریعتِ الٰہیہ کے دو ماخذ ہیں:۔ اول قرآن مجید اور دوسرا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

حدیث، قرآن مجید کے معنی ومفہوم کو متعین کرتی ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنیکا طریقہ بتاتی ہے۔ حدیث ہی ہے جو قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی ملحد کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ قرآن مجید کے جو معنی چاہے کر دے۔

افسوس کہ ماضی قریب اور دورِ حاضر میں چند لوگ ایسے پیدا ہوئے جن کو حدیث کی پابندی ناگوار گذری، زمانے کے ساتھ دین کو بدلنے میں انہیں حدیث بڑی رکاوٹ نظر آئی۔ قرآن مجید کو اپنے من مانے معنی پہنانے میں حدیث سدِ راہ ثابت ہوئی، جدت پسندی اور تن آسانی کو بروئے کار لانے میں انہیں حدیث کا وجود کھٹکنے لگا۔ الغرض بڑی ہوشیاری سے انہوں نے حدیث کو راستے سے ہٹانے کے لیئے قدم بڑھایا اور مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے بتدریج حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے سے انکار کر دیا۔

جن لوگوں نے حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے کا انکار کیا انہیں منکرینِ حدیث کہتے ہیں اُن کے نزدیک بقول ان کے صرف قرآنِ مجید حجتِ شرعیہ ہے اور صرف اسی پر عمل کرنا اسلام ہے جو لوگ دین کو اپنے اوپر ایک بوجھ سمجھتے ہیں انہیں منکرینِ حدیث کی یہ بات بہت پسند آئی اور انہوں نے بڑی آسانی سے منکرین حدیث کی دعوت پر لبیک کہا، اس طرح اس فتنہ میں ترقی ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔

علماء کرام نے ان کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا لیکن وہ برابر اپنے اعتراضات

کو دہراتے رہے اور دہرا رہے ہیں۔

علماءِ سُوء بھی اکثر ایسے ہیں جو صحیح حدیث کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن موضوع احادیث اور تاریخی افسانوں کے مقابلے میں دانستہ یا نادانستہ طور پر صحیح احادیث کا انکار کر جاتے ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے قرآن مجید اور صحیح احادیث سے چند دلائل پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی طرح صحیح احادیث بھی حجت شرعیہ ہیں اور ان کا انکار، قرآن مجید کا انکار ہے جو کہ کفر ہے۔ اللہ ...

(۱) وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ٥ (تغابن ۱۲)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم (اطاعتِ رسول سے) منہ موڑو تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (تمہاری نافرمانی کا وہ ذمہ دار نہیں)

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض ہے۔

(۲) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ (آلِ عمران ۳۲)

کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

گویا جو شخص اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑے وہ کافر ہے۔

(۳) یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِہِمُ الْاَرْضُ ۔ (نسآء ۴۲)

قیامت کے دن کافر اور وہ لوگ جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی ہوگی یہ خواہش کریں گے کہ انہیں مٹی میں ملا کر برابر کر دیا جائے۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ نجات، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہوگی ان کی بھی کافروں کی طرح یہی خواہش ہوگی کہ انہیں مٹی میں ملا کر برابر کر دیا جائے۔

(۴) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ٥ (جن ۲۳)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہے گا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ثابت ہوگا۔

(۵) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (انفال ۱)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کی شرط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔

(۶) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (نور ۵۶)

اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم کیلئے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شرط قرار دیا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عین اطاعتِ الٰہی ہے۔

(۷) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (نور ۵۴)

کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم (اطاعتِ رسول سے) منہ پھیرو تو رسول کے فرائض کی ذمہ داری رسول پر ہے اور تمہارے فرائض کی ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب ہو جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

اس آیت میں کس صراحت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دینے کے بعد دوبارہ اس کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ پھر سارا زور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دیا حتیٰ کہ یہاں تک فرما دیا کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہدایت مل سکتی ہے ورنہ سوائے گمراہی کے کچھ اور نہیں ملے گا۔ اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعتِ الٰہی کا واحد ذریعہ ہے، لہٰذا حدیث حجت ہے اور بغیر اسکے ہدایت ناممکن ہے۔

(۸) يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ (احزاب ۶۶)

جس دن ان کے منہ آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

اس قسم کی متعدد آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس اطاعتِ رسول فرض ہے۔ لہٰذا ہم حدیث حجت ہے اور اس کا انکار صریح کفر ہے۔

⑨ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نسآء ۶۴) — ہم رسول کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

لہٰذا رسول کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ مؤمنین کا مطاع ہوتا ہے اور اس کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور ہر زمانہ میں کی جائے۔ اگر یہ منصب رسول کی زندگی کی حد تک ہوتا تو [illegible] کے الفاظ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین پر رسول کی اطاعت فرض کرکے یہ ثابت کر دیا کہ مومن جہاں کہیں بھی ہو۔ جس زمانہ میں بھی ہو اس پر اطاعتِ رسول فرض ہے اور درحقیقت اطاعتِ رسول ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے سے اطاعتِ الٰہی ہوتی ہے۔ جو کہ مقصدِ تخلیقِ انسانیت ہے۔

⑩ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نسآء ۸۰) — اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

آیت بالا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اصل اطاعت اور پیروی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ اس سے آزاد ہو کر کوئی شخص وحی الٰہی کے صحیح مفہوم تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا صحیح حدیث حجتِ شرعیہ ہے اور اس سے نادانستہ انکار بھی کفر ہے۔

صحابۂ کرام سے حجّیتِ حدیث کا ثبوت

① حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنا ورثہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میں ایسا کوئی کام ترک نہیں کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، بلکہ میں اسی کام کو کرتا رہوں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا“ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی قسم کے مقدمہ کے دوران اپنی خلافت کے زمانہ میں فرمایا تھا۔ ”ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک ابوبکر رضی سچے تھے، نیکوکار تھے، ہدایت یاب اور حق کے تابع تھے۔ میں بھی اسی طرح عمل کرتا رہوں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے“۔

پھر فریقین کو مخاطب کرکے فرمایا: ”بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارا

(یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الجہاد)
وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں قرآن مجید کے لحاظ سے نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں،
ہر ایک کا ترکہ تقسیم ہونا چاہیئے۔ مذکورہ بالا حدیث بظاہر قرآن مجید کے خلاف نظر آتی ہے۔ لیکن
حضرت عمرؓ نے علی الاعلان تمام صحابہ کی موجودگی میں اس کو پیش کیا اور بطور حجیت شرعیہ تسلیم
کیا۔ نہ فریقین مقدمہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے اس کی تردید کی، نہ صحابہؓ کے مجمع سے
کوئی آواز اٹھی کہ حدیث حجت نہیں، نہ یہ آواز اٹھی کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔
تمام صحابہؓ نے اسے تسلیم کیا اور حجت مانا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ "قسم اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان و زمین
قائم ہیں، میں تا قیامت اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نتیجہ | تمام صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہوا کہ حدیث قیامت تک کیلئے حجت ہے۔

(۳) مانعین زکوٰۃ سے جب حضرت ابوبکرؓ نے قتال کا ارادہ کیا تو وہ حضرت عمرؓ ہی
تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی اور حجت میں حدیث کو پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں
تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہیں۔ پھر جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور
اپنی جان کو بچا لیا، مگر کلمہ کا حق لیا جائیگا اور اس شخص کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

صحابہؓ کی موجودگی میں یہ حدیث پڑھی گئی، کسی نے اس کے حجت ہونے سے انکار
نہیں کیا۔ کیونکہ یہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حدیث
کے ذریعہ بھی اللہ تعالےٰ کے احکام نازل ہوتے تھے۔ مزید برآں یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ حدیث
کو صرف وحی ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ حجت شرعیہ بھی سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواباً فرمایا:۔ "بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔"

گویا حضرت ابوبکرؓ نے حدیث کے یہ لفظ "مگر کلمہ کا حق لیا جائے گا" سے استدلال
کیا اور حضرت عمرؓ و دیگر صحابہؓ نے اس استدلال کو صحیح مانا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔
"میں سمجھ گیا کہ بے شک یہی حق ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے
بعد دو رکعت پڑھتے تھے لیکن مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں امت پر بوجھ نہ

نہ ہو جائے اور آپ امت پر تخفیف کو پسند کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا امت کے لئے ضروری ہے۔

⑤ سراقہ بن مالکؓ پوچھتے ہیں: "کیا حج تمتع آپ لوگوں کے لئے خاص ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] (صحیح بخاری باب عمرۃ التنعیم و روی مسلم نحوہ)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احکام حدیث قیامت تک کے لئے حجت ہیں۔

⑥ زبیر بن عربی کہتے ہیں: "ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ سے حجر اسود کو چھونے کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے چھوتے اور اس کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا آپ کی کیا رائے ہے اگر میں ہجوم میں گھر جاؤں، اگر میں مغلوب ہو جاؤں [illegible] فرمایا: اس "اگر مگر" کو یمن میں رکھو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے چھوتے اور اس کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری باب تقبیل الحج)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عقیدہ تھا کہ خواہ حالات کتنے ہی ناساز گار ہوں سنتِ رسول چھوڑی نہیں جا سکتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سنت ہمیشہ سب لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہے نہ کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک جیسا کہ منکرینِ حدیث کا خیال ہے۔

⑦ عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کا طواف نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ فرمایا: "تم نے بری بات کہی.... بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے طواف کو سنت قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب کسی کو اختیار نہیں کہ ان کے طواف کو چھوڑ دے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

گویا حضرت عائشہؓ باوجود قرآنِ مجید کی ظاہری اجازت کے سنتِ رسول کو چھوڑنا جائز نہیں سمجھتی تھیں۔

⑧ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس میں ہم تبدیلی کا ارادہ نہیں کر سکتے۔" (صحیح مسلم باب وجوب المبیت بمنیٰ لیالی ایام التشریق)

(۹) ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے گودنے والیوں، بال صاف کرنے والیوں، دانتوں کو چھیدنے والیوں اور اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت کی۔

ایک خاتون اُمّ یعقوب نے اعتراضاً کہا کہ آپ نے اس طرح لعنت کیسے کی؟ فرمایا:۔ "میں کیوں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور یہ لعنت اللہ کی کتاب میں موجود ہے"

اُمّ یعقوب کہنے لگیں:۔ "تحقیق میں نے پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے تو یہ چیز اس میں نہیں ملی" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ "اللہ کی قسم اگر تم نے قرآن مجید پڑھا ہوتا تو یہ چیز تم کو ضرور مل جاتی۔ پھر یہ آیت پڑھی، (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) "جو رسول تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔" (صحیح بخاری کتاب اللباس)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ حدیث کو بھی کتاب اللہ سمجھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ قرآن مجید کی طرح حجّت ہے۔ اسی آیت کو عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی حجیّتِ حدیث کی دلیل میں پیش کیا تھا۔ (حوالہ سنن نسائی کتاب الاشربۃ باب ذکر الدلالۃ علی النھی للموصوف عن الاوعیۃ التی تقدم ذکرھا کان حتماً)

(۱۰) ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا:" آپ ہمیں ایسی احادیث سناتے ہیں جن کی اصل قرآن میں نہیں ملتی۔ اس بات پر حضرت عمرانؓ کو غصہ آگیا۔ فرمایا "کیا تمہیں قرآن میں یہ ملتا ہے کہ ہر چالیس درہموں میں سے ایک درہم زکوٰۃ نکالو وغیرہ وغیرہ، کیا تمہیں قرآن میں یہ سب کچھ ملتا ہے"؟ اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا:" پھر تم نے کس سے حاصل کیا؟ تم نے ہم سے لیا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے" اسی طرح انہوں نے اور بہت سی چیزوں کا ذکر کیا (جو قرآن مجید میں نہیں ہیں لیکن حدیث میں ہونے کی وجہ سے سب مانتے ہیں"۔ (ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ)

گویا حضرت عمرانؓ کے نزدیک احکامِ حدیث، قرآن مجید کی طرح حجّت تھے۔ وہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ حکم تو قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

(۱۱) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عمرؓ کو ایک حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا، "گواہ لاؤ ورنہ سزا دوں گا" انہوں نے گواہ پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ

نے فرمایا: "میں نے چاہا کہ تحقیق کر لوں۔" (صحیح مسلم)

پھر فرمایا: "میں تم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگاتا مگر بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں لوگ جھوٹی حدیث نہ بنانے لگیں۔" (حوالہ موطا امام مالک و ابوداؤد کتاب الادب)

گویا حضرت عمرؓ حدیث کو بہت بڑا درجہ دیتے تھے اور صرف اسی لئے کہ وہ ابدی قانون کا درجہ رکھتی ہے ورنہ اس کی اہمیت کی کوئی اور وجہ نہیں۔

(۱۲) امیہؒ کہتے ہیں میں نے ابن عمرؓ سے کہا: "آپ (امن کے) سفر میں نماز میں قصر کیسے کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم خوف کی وجہ سے نماز میں کمی کر دو۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: اے بھتیجے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف مبعوث کئے گئے اس حالت میں کہ ہم گمراہ تھے پس آپ نے ہمیں تعلیم دی، تو جن باتوں کی آپ نے ہمیں تعلیم دی ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں حکم دیا ہے کہ سفر میں ہم دو رکعت پڑھا کریں [illegible] اقامۃ الصلوٰۃ [illegible] (صحیح نحوہ)

اس اثر سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام احادیث کو بھی من جانب اللہ سمجھتے تھے اور باوجود اس بات کے کہ وہ بظاہر قرآن کے خلاف معلوم ہوتی تھیں انہیں حجتِ شرعیہ سمجھتے تھے۔

(۱۳) ابن سمطؒ کہتے ہیں: "میں نے حضرت عمرؓ کو ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ قصر کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا میں تو اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" (حوالہ صحیح مسلم باب صلوٰۃ المسافرین)

باوجود اس کے کہ بحالتِ امن سفر میں قصر کرنے کی اجازت قرآن مجید سے ثابت نہیں لیکن حضرت عمرؓ پھر بھی قصر کرتے ہیں اور حدیث کو حجت سمجھتے ہیں۔

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف ہوا تو حدیث "قریش ولاۃ ھٰذا الامر" ہی سے فیصلہ ہوا اور تمام صحابہؓ حدیث کے سامنے خاموش ہو گئے (مسند احمد۔ فتح الباری باب مناقب ابی بکرؓ)

(۱۵) حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں نے سفر کی نماز کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلتے تو دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے یہاں تک کہ اپنے گھر واپس آتے۔"

(مسند امام احمد، بلوغ الامانی جز ۵ ص ۹۷)

سوال اس لئے کیا تھا کہ سفر میں قصر کرنا بظاہر قرآن مجید کے خلاف تھا لیکن صحابیؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ یہ فعل قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتا ہے بلکہ علی الاعلان اس چیز کا اعلان فرمایا جو حدیث سے ثابت تھی اور اس کو ایسی حالت میں بھی حجت سمجھا۔

(۱۶) حضرت علیؓ فرماتے ہیں :۔ "جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناؤں تو میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ آسمان پر سے گر پڑوں بہ نسبت اسکے کہ آپ پر جھوٹ بولوں۔
پھر حضرت علیؓ نے خارجیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی سنائی" (ابوداؤد کتاب السنۃ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک حدیث کی کتنی بڑی اہمیت تھی وہ حدیث کی پیشین گوئیوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کی؟ ضرور وحی آئی ہوگی۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے عقیدے کے مطابق وہ پیشین گوئی وحی الٰہی ہوئی۔ یعنی حدیث وحی ہے لہٰذا حجت ہے اور اس سے انکار کفر ہے۔

خلاصہ | غرض یہ کہ کہاں تک لکھا جائے اس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے، کتب حدیث میں ہر روایت حدیث کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس طرح حدیث کے حجت ہونے کے دلائل کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے، کیا ان ہزارہا دلائل کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث حجت نہیں، اگر اب بھی کوئی حدیث کے حجت نہ ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ حقائق اور متواترات کا انکار کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ سراسر باطل ہے بلکہ محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔
اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ سے فرماتا ہے :

(۱) فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۔ (البقرہ۔ ۱۳۷)

(اے ایمان والو) اگر یہ لوگ (یہود وعیسائی) اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ ہدایت یاب ہو سکتے ہیں اور اگر یہ منہ موڑیں تو بس یہ (سمجھ لو) کہ یہ تمہاری مخالفت پر کمربستہ ہیں۔

صحابہ کرام جس طرح سابقہ کتب پر ایمان لائے تھے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر ایمان رکھتے تھے اور اس آیت میں انہیں کے مثل ایمان لانے کو ہدایت یاب ہونے کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتوں کو ماننے اور بعض باتوں کے انکار کرنے سے ہدایت یاب ہونے کی یہ شرط پوری نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

(۲) وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ

اور (یہ یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ ہم بعض

بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۔ (النساء ۱۵۰ ۔ ۱۵۱)

(رسولوں) پر ایمان لاتے ہیں اور بعض (رسولوں) کا انکار کرتے ہیں اور (کفر و ایمان کے) درمیان ایک اور راہ نکالنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی لوگ حقیقی کافر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صحیح احادیث کو ماننا اور بعض سے اعراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے نبوت یا رسالت کے کچھ حصہ سے انکار کر دینا ۔ اسی طرح بیچ کی راہ بنتی ہے جو عین کفر کی راہ ہے ۔

اے لوگو! کسی فرقے کے پاس مکمل اسلام نہیں، وہ اسلام کی بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اگر ہر فرقے کے پاس مکمل اسلام ہوتا تو وہ ایک جماعت کیوں نہ ہوتے ؟ وہ اپنی من مانی بات کو اسلام ثابت کرنے کیلئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فلاں حکم دیا ہے مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کے معنی سے اعراض کرتے ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- " جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا " اے کافر " تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا " اگر وہ کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ آئیگا ۔ " (صحیح مسلم کتاب الایمان)

جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کی بشارت دیتے ہیں اس کو یہ کافر اور ملعون کہتے ہیں گویا وہ صحیح حدیث کا انکار کرتے ہیں ۔ خود بھی کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں اور عوام الناس کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (حشر ۔ ۲)

پس اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو ۔

ماخذ ۔ بُرْهَانُ الْمُسْلِمِيْن از مسعود احمد

تلخیص و ترتیب : محمد صدیق میمن